اردو اور پنجابی کا لسانی و ادبی اشتراک

الله یار ثاقب
Allah Yar Saqib
Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore

خالد محمود
Khalid Mehmood
Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

ذکیہ خورشید
Zakia Khurshid,
Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

There are many theories about beginning of Urdu language. The vital theories are; Naseer O Din Hashmi`s theory "The Bignning of Urdu From Dukkan", Syyad Sulman Nadvi`s theory "The First Appearance of Urdu in Sindh" and the most important theory is Hafiz Mehmood Shirani`s theory i.e "The Beginning of Urdu in Punjab". Beside this there are many other linguistics, the follower of above personalities. In this article, above theories are discussed. In mutual discussion with regards to Punjabi and Urdu combination, the sport is to the theory of Hafiz Shirani. Both languages, Punjabi and Urdu, have great combination. In this article, it is tried to prove with examples of linguistically, grammatically and with litrature that the Urdu and the Punjabi have

great combinatio.

زبان کیا ہے؟

جب حضرت انسان نے اس روئے زمین پر آنکھ کھولی تو اس کو اپنی دیگر ضروریاتِ زندگی کے ساتھ ساتھ ابلاغ کی بھی ضرورت پڑی۔ اشاروں کنایوں سے بات کرنا، تصویریں، مجسمے اور دیگر مخصوص علامتیں زبان کا ذریعہ بنیں۔ رفتہ رفتہ یہ علامتیں ترقی کرتی ہوئیں اس مقام پر پہنچیں جو ہم بولتے، لکھتے، سمجھتے اور پڑھتے ہیں۔ زبان کی تعریف کرتے ہوئے ماہر لسانیات ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں:

> ''زبان انسانی آوازوں کا وہ بامعنی نظام ہے جس کے ذریعے افراد جماعت میں رابطہ استوار ہوتا ہے۔ انسان اپنے ساتھیوں کو متاثر کرنے کے لیے بولتا ہے اور زبان کے وسیلے سے ان کی امداد طلب کرتا ہے تاکہ سب کے ساتھ مل جل کر اپنے ماحول پر قابو پا سکے۔''(۱)

زبانوں کے خاندان

ہند آریائی زبانوں کے ارتقا کے بارے میں قیاس آرائی کی جاتی ہے کہ اس کا آغاز چار ہزار سال قبل مسیح جرمنی میں دریائے ڈینیوب کے کنارے بسنے والے آریائی قبائل سے ہوتا ہے جن کو انڈو یورپین بھی کہا جاتا ہے۔ بعد ازاں اس قبیلے کے لوگ چار اطراف پھیل گئے جس کی بنیاد پر زبانوں کے چار بڑے قبیلے وجود میں آئے۔

۱۔ Germanic جس میں سرفہرست زبانیں انگریزی اور جرمنی ہیں۔
۲۔ baltolavic جس میں سرفہرست زبانیں روسی اور پولش ہیں۔
۳۔ Itlalic جس میں فرانسیسی اور سپائنی شامل ہیں۔
۴۔ Indoaryan (ہند آریائی)

انڈو آرین کا سفر پندرہ سو سال قبل مسیح ایران کی طرف ہوا اور یہ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔

الف: ایرانی (Iranian)
ب: ہند (Indic)

Iranian سے پیدا ہونے والی اہم زبانیں فارسی، پشتو اور بلوچی شامل ہیں جبکہ Indic سے سندھی اردو اور دیگر زبانیں تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ کئی اور نظریے بھی زبانوں کے خاندان کے بارے میں سامنے آئے ہیں۔ ڈاکٹر شوکت سبز واری کے نزدیک ''زبانوں کے دو بڑے خاندان

ہیں: (۱) سامی اور (۲) ہند آریائی''۔ (۲) سامی خاندان میں تین بڑے خاندان ہیں۔

۱۔آرامی جو شام، عراق قدیم بابل اور نینوا کی زبان تھی۔

۲۔عبرانی یہودیوں کی مقدس زبان تھی۔

۳۔سامی نسل کی ترقی یافتہ اور زندہ زبان عربی ہے۔

زبانوں کے خاندان کے بارے میں کوئی بھی رائے حتمی نہیں ہوسکتی کیونکہ جب ایک تہذیب اپنے عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہو جاتی ہے اور صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے تو اس کے ساتھ اس کی زبان بھی مر جاتی ہے۔ اس کے بعد نئی زبان کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ ایسی ترقی یافتہ زبانوں میں ایک زبان ''اردو'' بھی ہے۔

اردو زبان کا آغاز وارتقا

اردو کے آغاز کے بارے میں مختلف نظریات ہمارے سامنے آتے ہیں جن پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں سب سے پہلے میر امن کا نام ہے جو''باغ و بہار'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> ''جب اکبر شاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اس خاندانِ لاثانی کی سن کر حضور میں آ کر جمع ہوئیں۔ لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی۔ اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین، سودا سلف، سوال جواب کرتے ایک زبان اُردو کی مقرر ہوئی۔''(۳)

اور یہ نظریہ کہ ''اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اُردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے۔'' (۴) کے بعد نصیرالدین ہاشمی اردو کے بیج دکن میں بوتا نظر آتا ہے:

> ''گلستانِ ہند کے شمالی چمن میں مغربی دروازوں سے باغبانوں نے آ کر اُردو کا بیج بویا۔ گنگا جمنا نے آبیاری کر کے چھوٹے سے پودے کو اُگایا، اسی کے قریب قریب دکن میں انہی کے ہاتھوں نے اس بیج کو زمین میں ڈالا۔''(۵)

جب ''دکن میں اردو'' نصیرالدین ہاشمی علامہ اقبال کو پیش کرتے ہیں تو علامہ اقبال اپنے ایک خط میں نصیرالدین ہاشمی کو لکھتے ہیں:

> ''غالباً پنجاب میں بھی کچھ پُرانا مسالہ موجود ہے۔ اگر اس کے جمع کرنے میں کسی کو کامیابی ہوگئی تو مورخ اُردو کے لیے نئے سوالات پیدا ہوں گے''۔(۶)

اس کے بعد ۱۹۲۸ میں حافظ محمود شیرانی کی کتاب ''پنجاب میں اردو'' ایک نئے تاثر کے

ساتھ سامنے آتی ہے۔ حافظ شیرانی نے لسانی ثبوت کے علاوہ تاریخی واقعات کو بھی پرکھا ہے اور اپنا نظریہ پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''یہ بات ہم کو یاد رکھنی چاہیے کہ امیر خسرو دہلی کو دہلوی لکھتے ہیں، ابوالفضل بھی آئین اکبر میں اس کو'دہلوی' کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اب شیخ باجن (متوفی ۹۱۲ھ) بھی اس کو دہلوی کہتے ہیں اور جونمونہ اس زبان کا دیتے ہیں وہ قطعاً اُردو ہے۔ اُردو دہلی کی قدیم زبان نہیں ہے بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے اور چونکہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کر کے جاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ وہ پنجاب میں کوئی زبان اپنے ساتھ لے گئے ہوں۔ اس نظریہ کے ثبوت میں اگرچہ ہمارے پاس کوئی قدیم شہادت یا سند نہیں لیکن سیاسی واقعات، اُردو زبان کی ساخت نیز دوسرے حالات ہمیں اس عقیدہ کے تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں''۔(۷)

اردو کے آغاز کے بارے میں بہت سے نظریات پیش کیے گئے۔ برج بھاشا، دکن میں اردو اور پنجاب میں اردو کے علاوہ سیّد سلمان ندوی کو اُردو کا ہیولا سندھ میں نظر آیا۔ ڈاکٹر شوکت سبز واری اردو کی بنیادیں قدیم ویدک بولی میں تلاش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود حسین خان ہریانوی، ڈاکٹر سہیل بخاری مرہٹی کہتا ہے اور عین الحق فرید کوٹی اردو کو آریائی قبیلے سے ہی جدا کرتے ہوئے دراوڑی قبیلے سے جوڑتے ہیں۔

پنجاب میں اردو کے حوالے سے محمود شیرانی سے پہلے ہی بات چل نکلی تھی کہ ''اردو زبان دراصل منجھی ہوئی پنجابی زبان ہے۔ اس کے افعال عموماً پنجابی ہیں مگر تھوڑی سی نفیس تبدیلی کے ساتھ استعمال میں لائے گئے ہیں''۔(۸) پنڈت کیفی کے نزدیک ''اُردو زبان پنجاب میں پیدا ہوئی''۔(۹) مولانا صالح الدین کہتا ہے''یاد رکھیے اردو پنجاب ہی کی بیٹی ہے وہ یہیں پیدا ہوئی اور یہیں پروان چڑھی''۔(۱۰) اور ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں''اردو کو اہل پنجاب ہی نے اپنے سینے سے دودھ پلا کر پالا پوسا اور بڑا کیا''(۱۱)

اردو پنجابی لسانی اشتراک

حافظ محمود شیرانی نے جب اپنا نظریہ میں اردو کا مولد پنجاب کو ٹھہرایا تو اس نے تاریخی، سیاسی اور لسانی دلائل پیش کیے۔ تاریخی پہلو کے حوالے سے وہ بیان کرتے ہیں کہ محمود غزنوی کی فتوحات کے بعد لاہور اسلامی تمدن کا مرکز بن گیا۔ آل غزنیہ تقریباً ۱۷۰ سال رہی اس عرصہ کے دوران حکومتی عہدہ داروں اور ملازمین کے لیے یہاں کی زبان سے واقف ہونا لازمی امر ہے اور یوں ایک نئی زبان کا وجود میں آنا

ضروری تھا۔آل غزنیہ کے بعد غوریوں کی حکومت آئی اور قطب الدین ایبک سلطان بنا تو پنجاب کا دارالحکومت لاہور سے دہلی منتقل ہو گیا جس کے ساتھ پنجاب کے بہت سے لوگ دہلی گئے اور یوں ایک نئی زبان بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ یہ وہ تاریخی واقعات ہیں جو شیرانی کے نظریے کی وکالت کرتے ہیں۔

اردو اور پنجابی کے اشتراک کی واضح حقیقت پنجابی کے الفاظ تھوڑی سی تبدیلی کرنے کے بعد انہی معنوں میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ بہت سے ایسے الفاظ جو اردو اور پنجابی میں ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ماہرین لسانیات کے مطابق جب آریاؤں سے پہلے دراوڑی تھے اور اُن سے پہلے ''مُنڈا'' قبائل تھے جن کے الفاظ آج بھی پنجابی اور اردو میں موجود ہیں۔ ذیل میں چند ایسے الفاظ دیکھیے:

مُنڈا	پنجابی	اردو
کھُری/کھُر	کھُر	
(پیر)	کھُر (اب صرف جانوروں کے پیر)	
چولا	چُلّھا	چولہا
کانون	کنون	قانون

اس کے علاوہ بڑا اشتراک دونوں زبانوں کا صرف ونحو کا اسلوب کافی حد تک ایک جیسا ہے۔ ذیل میں چیدہ چیدہ نکات کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

مصدر

اردو اور پنجابی زبان کے اشتراک میں مصدر کا بڑا عمل دخل ہے۔ دونوں زبانوں کے لیے ایک ہی قاعدہ وقانون ہے۔ ''امر'' کے آخر میں ''نا'' لگانے سے مصدر کا بن جانا مثلاً:

کر	سے	کرنا
لڑ	سے	لڑنا
ڈر	سے	ڈرنا

اردو میں زبان کی صفائی کے نام پر بہت سے الفاظ متروک کر دیے گئے ہیں۔ ''نا'' کے ساتھ پہلے ''ن'' استعمال کیا جاتا تھا جو اب متروک ہو چکا ہے۔ اردو اور پنجابی دونوں میں اس کا استعمال ترک کر دیا گیا ہے۔ زمانے کے نشیب وفراز کے ساتھ ساتھ زبانوں میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے اور ضرورت کے مطابق نئے الفاظ وجود میں آتے رہتے ہیں اور بعض پرانے الفاظ متروک ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کے بقول:

> ''زبان سانپ کی کینچلی جھاڑتی رہتی ہے۔ مختلف وجوہ کے تحت اس
> کے کچھ الفاظ استعمال سے خارج اور ان کی جگہ نئے نئے الفاظ اس

میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح وقت کے ساتھ ساتھ
متروک الفاظ کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور اسی نسبت سے
دخیل یعنی دوسری زبانوں کے الفاظ کی کثرت بھی ہوتی چلی جاتی
ہے۔'' (۱۲)

تذکیروتانیث

اردو اور پنجابی میں تذکیروتانیث کے قواعد بھی ایک جیسے ہیں۔

(الف) اکثر ایسے الفاظ جو''الف'' پر ختم ہوتے ہیں تانیث بنانے کے لیے الف''ی'' میں تبدیل ہوجاتی ہے جیسے:

بکرا	بکری
گھوڑا	گھوڑی
لڑکا	لڑکی
کالا	کالی

(ب) اگر اسم مذکر حروفِ علّت کے سوا حرف صحیح پر ختم ہوتو دونوں زبانوں کے تانیث کے لیے''نی'' یا''انی'' کا اضافہ کردیا جاتا ہے۔

مغل	مغلانی
فقیر	فقیرنی
نٹ	نٹنی
اونٹ	اونٹنی

(ج) اگر مذکر الفاظ''ی'' پر ختم ہوتا ہے تو ی کو''ن'' میں تبدیل کر کے موئنث بنایا جاتا ہے۔

جیسے:

دھوبی	دھوبن
تیلی	تیلن
میراثی	میراثن
جوگی	جوگن
موچی	موچن

اسماءاوراسمائے صفت

ایک اور اشتراک کہ دونوں زبانوں میں اعلا واسما کی صفات''الف'' پر ختم ہونا ہے:

اردو	پنجابی
لڑکا	منڈا
اچھا	چنگا
اُلٹا	کھبا

اس کے علاوہ دونوں زبانوں میں اسمائے صفات، تذکرو تانیث، جمع و واحد اپنے موصوف کے مطابق ہوتے ہیں:

اردو	پنجابی
اُونچا گھوڑا	اُچّا گھوڑا
بُرے لڑکے	وڈے منڈے
چھوٹی لڑکیاں	نکیاں کڑیاں

قدیم اردو زبان میں پنجابی کی طرح اسم صفت کو بھی جمع لگایا جاتا تھا۔ مثلاً سودا کا شعر ہے:

دیوانہ ہو گیا سوداؔ تو آخر ریختہ پڑھ پڑھ
نہ میں کہتا تھا اے ظالم کہ یہ باتیں نہیں بھلیاں

یعنی یہاں پر بھلیاں باتیں ہیں جبکہ آج اسے درست طریقہ میں بھلی باتیں لکھا جاتا ہے۔

گرامر میں اشتراک

اردو اور پنجابی میں ماضی مطلق کے صیغے ایک جیسے ہیں جیسے:

اُردو	پنجابی
وہ آیا	اوہ آیا
وہ آئے	اوہ آئے
تم آئے	تسی آئے/تسی آئیاں
میں آیا	میں آیا
ہم آئے	اسی آئے/اسی آئیاں

اسی طرح ماضی قریب، بعید اور ماضی شکیہ میں بھی ہر دو زبانیں ایک جیسی ہیں۔ ماضی ناتمام اور ماضی احتمالی کا استعمال بھی ایک جیسا ہے:

اردو	پنجابی
وہ مارتا تھا	اوہ ماردا سی
ہم مارتے تھے	اسی ماردے ساں

پنجابی کے فعل میں ایک واؤ کا اضافہ ہے جبکہ اردو سے یہ واؤ ختم کر دیا گیا ہے۔ غالب کے

عہد میں اس کے نشان ملتے ہیں۔ جیسے وہ آوے، تو آوے وغیرہ جو بالکل پنجابی کے مطابق ہے۔ فعل امر کا قاعدہ بالکل اردو اور پنجابی میں یکساں نوعیت کا ہے۔

اُردو	پنجابی
دیکھ	ویکھ
کھا	کھا
پی	پی
نکل جا	نکل جا

اردو اور پنجابی میں ندائیہ طریقہ بھی ایک ہی ہے جیسے اُردو میں اے لڑکو! اور پنجابی میں اومنڈیو! ہے۔ اردو کے محاورات کو دیکھیں تو ایسے بہت سے محاورے ہیں جو اردو اور پنجابی میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ حافظ محمود شیرانی کے بقول:

''اُردو کے محاورات 'دن دہاڑے'، 'ہلنا جلنا'، 'چپ چپاتا'، 'مانگنا تانگنا'، 'بال وال' وغیرہ اُردو خواں کے جزوِ ثانی کو تابع مہمل کہتے ہیں مگر پنجابی زبان میں یہ الفاظ بامعنی ہیں اور آج بھی استعمال میں آرہے ہیں۔''(۱۳)

اردو کے لسانی اشتراک کا اختتامیہ پیسہ اخبار کے ایڈیٹر منشی محبوب اور دیگر مضمون نگاروں کے اس استدلال پر کرنا چاہتا ہوں کہ:

''پنجابی اور اُردو بنیادی طور پر ایک ہی زبان ہے۔ پنجابی اُردو کا پرانا روپ ہے اور اُردو پنجابی کی ترقی یافتہ صورت ہے۔''(۱۴)

اردو اور پنجابی کا ادبی اشتراک

جس طرح ماہرین لسانیات کا یہ کہنا کہ پنجابی اور اُردو بنیادی طور پر ایک ہی زبان ہے اور اس سے انحراف ممکن نہیں ہے۔ اُردو میں پنجابی الفاظ کا استعمال ساٹھ فیصد یقینی ہے۔ ایک ہی خطے میں بولی جانے والی ان دو زبانوں کو ادبی لحاظ سے دیکھا جائے تو دونوں میں اصنافِ ادب ایک جیسی ہیں۔ اصنافِ ادب خواہ کسی بھی خطے سے تعلق رکھتی ہوں، کسی بھی زبان سے تعلق رکھتی ہوں ان میں اپنے علاقے کی رنگت، تہذیب اور ثقافت ضرور جھلکتی ہے۔ داخلی اور خارجی عناصر نمایاں ہوتے ہیں۔ روایات کا پیرہن ہوتا ہے اور جدیدیت کا دامن بھی۔ یہی عناصر کسی ادب کو آفاقیت بخشتا ہے۔ ڈاکٹر عبارت بریلوی لکھتے ہیں:

''اصناف ادب کی تخلیق کسی معجزے کے نتیجے میں نہیں ہوتی۔ مخصوص جغرافیائی حالات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والا

مخصوص تہذیبی ، تمدنی اور معاشرتی ماحول ان کی تخلیق میں ممد و معاون ہوتا ہے۔‘‘(۱۵)

اصناف ادب کی بنیادی طور پر دو اقسام کی ہیں:

۱۔شعری ادب

۲۔نثری ادب

ذیل میں ہر دو کا الگ الگ جائزہ لیتے ہیں۔

شعری ادب

سب سے پہلے شعری ادب کا جائزہ لیتے ہیں۔شاعری وہ وسیلہ اظہار ہے جو دونوں زبانوں میں یکساں طور پر ملتا ہے۔پنجابی ایک قدیم ترین زبان ہے۔جس کا اولین نمونہ ’’رگ وید‘‘ کو کہا جا سکتا ہے جس میں تقریباً دو سو شعرا کے ایک ہزار سے زیادہ بھجن ہیں۔سب سے پہلا نام جو پنجابی شاعری میں نظر آتا ہے وہ حضرت فریدالدین مسعود شکر گنجؒ کا ہے۔جو بابا فرید کے نام سے مشہور ہیں۔اُن کی شاعری میں مذہبی رنگ اور تصوف نمایاں ہے۔ابتدائی دور میں پنجابی شاعری کے حوالے سے سامنے آنے والوں میں شاہ حسین، دمور جھنگی ، حافظ برخوردار، سلطان باہو، بلھے شاہ، وارث شاہ اور میاں محمد بخش نمایاں ہیں۔انگریزی اور پاکستانی دور میں پنجابی شاعری میں جو نام اُبھرے اُن میں مولا بخش کشتہ، فیروز دین شرف، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، پیر فضل گجراتی، صوفی تبسّم، عبدالمجید بھٹی، احمد راہی، فیض احمد فیض، افضل پرویز، باقی صدیقی، احمد ظفر، شریف کنجاہی، منیر نیازی، عارف عبدالمتین، رؤف شیخ اور سلیم کاشر وغیرہ شامل ہیں۔

حمد و نعت

حمد ایک موضوعاتی صنف شاعری ہے جس میں شاعر اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرتا ہے۔اردو پنجابی دونوں زبانوں میں یہ کسی بھی ہیئت میں لکھی جاتی ہے۔اردو پنجابی روایت کے مطابق باحیثیت مسلمان ہر شاعر اپنی شاعری کا آغاز حمد سے کرتا ہے۔ ہر شاعر بابا فریدؒ سے لے کر اب تک حمد یہ شعر لکھنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھا ہے۔وارث شاہ کہتے ہیں:

اول حمد خدائے دا ورد کیجیے، عشق کیتا سو جگ دا مول میاں
پہلے آپ ہے رب نے عشق کیتا معشوق ہے نبی رسولؐ میاں

اور میاں محمد بخشؒ لکھتے ہیں:

اول حمد ثنا الٰہی جو مالک ہر ہر دا
اس دا نام چتارن والا ہر میدان دا

اسی طرح نعت لکھنے میں بھی کوئی ہیئت مقرر نہیں نعت میں حضور اکرم ﷺ کی شان میں تعریف کی جاتی ہے۔نعت لکھنا ایک مشکل ترین فن ہے کیونکہ اس کے لیے دونوں طرف حدیں مقرر ہیں ایک طرف حضور اکرم ﷺ کا احترام لازم ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی یکتائی میں شرکت کا ڈر۔ نعت کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

نبیؐ دی نعت لکھیئے تاں رکھیئے قبلہ رُو اتھرو
ثواب اُس نعت دا ملدا جے ہوون باوضو اتھرو
مہکدی اے درُوداں نال نعتاں دی ہر اک محفل
مرے بادی دے ﷺحت نال ہوون مُشکبُو اتھرو(۱۶)

حمد و نعت کے علاوہ مذہبی نقطہ نظر سے سلام اور منقبت بھی ادبی حیثیت رکھتی ہے جو دونوں زبانوں میں مروج ہے۔آغاز سے ہی دونوں زبانوں میں اس پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔سلام ایک ایسی نظم ہوتی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔اس کے علاوہ حضرت امام حسینؓ پر بھی سلام لکھے گئے۔منقبت صحابہ کرام رضوان علیہ، اولیا اللہ، بزرگانِ دین اور اللہ تعالی کے برگزیدہ بندوں پر لکھے جاتے ہیں۔عالم پوری کے کلام سے سلام کا نمونہ دیکھیے:

حق دا سبق پڑھایا حضرت حسینؓ نے
سر دے کے دین بچایا حضرت حسینؓ نے
کوثر دے جام پین لئی پیاسے رہے امام
پانی نوں ہتھ نہ لایا حضرت حسینؓ نے
پڑھی نماز عصر دی تیراں دے سائے وچ
سجدے وچ سر کٹایا حضرت حسینؓ نے(۱۷)

مرثیہ

مرثیہ شاعری کی وہ صنف ہے جس میں کسی مرے ہوئے کی توصیف بیان کی جائے۔اردو مرثیہ کا تعلق خاص حضرت امام حسینؓ کی شہادت سے ہے۔میر انیس و دبیر کا دور مرثیہ کا عروج ہے اس کے بعد مرثیہ اس عروج کی ہوا کو بھی نہیں چھوسکا۔پنجابی میں مرثیے کو''جنگ نامہ'' بھی کہا گیا ہے۔اردو و پنجابی دونوں زبانوں میں مرثیے کے نو اجزا ہی ہیں۔نمونے کے طور پر پنجابی مرثیے کے چند شعر دیکھیے:

ورت گئی خزاں باجھ پانی پھڑ مشک عباس روان ہوئے
خیمے وچوں آواز ایہ اون لگی باجھ پانیوں چاچا حیران ہوئے
بی بی فاطمہ دی گودی بھن والے ہائے ہائے ربا ویران ہوئے
مظہر ایہ قرآن دے نیں قاری، ہتھوں جیہناں دے ہاں پریشان ہوئے

غزل

غزل شعری اصناف میں اولین مقام رکھتی ہے۔غزل کا آغاز ولی دکنی سے شروع ہوتا ہے جس کو اردو غزل کا ''باوا آدم'' کہا جاتا ہے۔اردو ادب میں غزل پر کئی نشیب و فراز آئے، عروج و زوال آئے۔ایسا وقت بھی آیا کہ یہ کہا جانے لگا کہ اب غزل ختم ہو جائے گی مگر ایسا ممکن نہ تھا۔غزل نے اپنی روایات کو ضرور بدلہ۔روایتی عشق مزاجی کی جگہ سماجی، معاشی اور معاشرتی مسائل نے جگہ لے لی اور یوں غزل میں ایسا تنوّع پیدا ہوا کہ کائنات کے رنگ بکھرنے لگے۔اردو کی طرح پنجابی میں بھی غزل کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔پنجابی غزل کے بارے میں ارشاد احمد پنجابی لکھتے ہیں:

> ''شاہ مراد نے پنجابی غزل کی ابتدا کی اور میاں محمد بخش نے بھی۔ قصہ سیف الملوک میں غزل کو باقاعدہ جگہ دی۔لیکن سب سے پہلا صاحب دیوان غزل گو مولا بخش کشتہ بیان کیا جاتا ہے۔''(۱۸)

اردو اور پنجابی میں غزل کی ہئیت ایک جیسی ہے اس کے علاوہ داخلیت اور خارجیت بھی دونوں زبانوں میں پائی جاتی ہے۔داخلی کیفیت قلبی واردات کا نام ہے۔اردو غزل کا آغاز ولی دکنی سے کیا جاتا ہے جبکہ جدید تحقیق شاہ مراد کو پہلا غزل گو ٹھہراتی ہے جو نہ صرف اردو کے پہلے غزل شاعر ہیں بلکہ پنجابی میں بھی غزل کا سہرہ اُنہی کے سر جاتا ہے۔شاہ مراد کی غزل کے چند شعر بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

خداوندا مِلا مینوں سجن اتنا اڈیکاں کیوں
اڈیکاں میں گناں ترے تے سرنوں لائیاں لیکاں کیوں
تری حالت توہیوں جانیں مراد اپنی دعا ایہا
خداوندا ملا مینوں سجن اتنا اڈیکاں کیوں(۱۹)

اس کے علاوہ زمانہ عصر کے پنجابی شعرا کے چند شعر دیکھیے۔ڈاکٹر انعام الحق جاوید کا شعر ہے:

بولن نالوں اج خموشی بہتی مہنگی وکدی اے
جیہنوں چپ دی قیمت لبھے فیر اوہ ایویں بولے کیوں

بشیر فیض کہتے ہیں:

کانی پلّی چھاں تے ہے ناں
سِر کجّن دی تھاں تے ہے ناں
ملیاں نئیں تاں فِر کیہہ ہویا
اوہدے ناں نل ناں تے ہے ناں
کوئی وی نئیں تے ناں پیا ہووے
میری کنڈ تے ماں تے ہے ناں(۲۰)

مثنوی

اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں بے شمار مثنویاں لکھی گئی ہیں۔ اردو میں میر حسن کی ''سحر البیان'' اور دیا شنکر نسیم کی ''گلزار نسیم'' اعلیٰ پائے کی مثنویاں ہیں جبکہ پنجابی میں لکھی جانے والی ''سیف الملوک''، ہیر وارث شاہ'' یوسف زلیخا'' اور ''احسن القصص'' بہترین مثنویاں ہیں۔ مثنوی میں رزم و بزم، حسن و عشق، قصے اور افسانہ نگاری کے لیے مخصوص ہے۔ ہر شعر کے دونوں مصرعوں کو ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ مثنوی ایک کارآمد صنف ہے۔ اس میں اول سے آخر تک قافیہ کی پابندی ہوتی ہے۔ مثنوی میں اشعار کی تعداد کا کوئی تعین نہیں ہے۔ مثنوی کے اشعار چار سے لے کر چار لاکھ تک ہو سکتے ہیں۔ اردو میں مثنوی کی ابتدا کب ہوئی اس کے بارے میں محققین اور ناقدین کی مختلف آراء ہیں۔ بعض اس کا آغاز دکن سے اور بعض شمالی ہند سے کرتے ہیں۔ شمالی ہندی میں مثنوی کا قدیم ترین نمونہ بابا فرید گنج شکر کی مثنوی ہے۔ ان کے بعد مثنوی کا سلسلہ امیر خسرو سے جوڑتے ہیں۔ بھگت کبیر کا نام بھی مثنوی گویوں میں شمار ہوتا ہے۔

آبرو اور حاتم کے ہاں بھی مختصر مثنویوں کا سراغ ملتا ہے۔ سودا نے مثنوی کے فن کو ترقی دی اور موضوعات میں تنوع پیدا کیا۔ سودا کی مثنویوں میں ان کے قصائد کے اثرات واضح طور پر موجود ہیں۔ میر تقی میر نے چونتیس مثنویاں لکھیں۔ اُن کی مثنویاں کئی لحاظ سے بہتر ہیں۔ میر نے اپنی نجی زندگی کی خوب عکاسی کی ہے۔ میر نے عشقیہ مثنویاں بھی لکھیں۔ شیر علی افسوس کی مثنوی بہار سخن بھی قابل ذکر ہے۔ زبان و بیان کی خوبیوں اور معاشرت و تہذیب کی صحیح عکاسی کے لحاظ سے میر حسن کی سحر البیان اور نسیم کی گلزار نسیم بہت مشہور ہیں۔ مثنوی کے ارتقاء میں نواب مرزا شوق کی طبع آزمائیوں کو بہت عمل دخل حاصل ہے۔

پنجابی میں مثنوی کا آغاز دمودر داس دمودر کی مثنوی ''ہیر دا قصہ'' سے ہوتا ہے جو سولہویں صدی میں لکھا گئی۔ اس کے بعد معروف شاعر صدیق لالی کی مثنوی یوسف زلیخا کا نام اہم ہے۔ پنجابی کے مشہور مثنوی گو شعرا میں بہبل لاہوری، مولوی لطف، حاجی نور محمد شیر گڑھی، مولانا عبدالحکیم، مولانا غلام رسول اعوان، میاں محمد بخش اور مولوی غلام رسول اہم نام ہیں۔

رباعی

''رباعی چار مصرعوں کی ایک ایسی نظم ہے جو مضمون کے اعتبار سے خود کفیل ہے۔''(۲۱) اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں لکھی گئی۔ اس کے اوزان مخصوص ہیں۔ دوسری اصناف کی نسبت رباعی لکھنا مشکل ہے کیونکہ اس کے اوزان پیچیدہ ہیں جس سے مرزا غالب (۲۲) بھی غلطی کر گئے ہیں۔ اردو میں تقریباً ہر بڑے شاعر نے رباعی لکھی ہے۔ پنجابی میں رباعی لکھنے کے دعوے دار بڑے ہیں مگر حقیقت میں چار مصرعوں کو رباعی کے کھاتے میں ڈال دیا۔ بیسویں صدی میں موہن سنگھ، مولا بخش کشتہ،

فروز دین شرف اور ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے روبائی میں طبع آزمائی کی ہے۔ ڈاکٹر فقیر محمد کی رباعی دیکھیے:

فقیر آں نہ عالم نہ استاد ہاں میں
کرودھی نہ ظالم نہ جلاد ہاں میں

سنا کیوں تڑی تیری دوزخ دی میاں
نہ نمرود ہاں میں نہ شداد ہاں میں

نظم آزاد و معرّیٰ

نظم معریٰ نظم کی ایسی قسم ہے جس میں تمام مصرعے ایک مخصوص بحر میں ہوتے ہیں البتہ ردیف قافیے کی قید سے مکمل آزادی ہوتی ہے۔ ن۔م راشد، مجید امجد، تصدق حسین بھٹی وغیرہ نے اس میں طبع آزمائی کی ہے۔ پنجابی میں جن شعرا نے اس پر طبع آزمائی کی ہے ان میں صفدر میر، نجم حسین سید، اقبال صلاح الدین، فخر زمان، الطاف قریشی اور بہت سے نام شامل ہیں۔

آزاد نظم میں روایتی شاعری کی تمام پابندیوں سے بغاوت کی گئی ہے۔ اردو ادب میں سب سے پہلے جو نمونہ سامنے آتا ہے وہ محمد حسین آزاد کی نظم ''جغرافیہ طبعی کی پہیلی'' ہے۔ بقول ڈاکٹر انور سدید:

''آزاد سے پہلے اُردو نظم کی یہ صورت چونکہ نایاب تھی اس لئے اس نظم کو نظمِ آزاد کا پیش خیمہ قرار دینا درست ہے۔'' (۲۳)

نثری ادب

دنیا کی کسی بھی زبان کا ادبی سرمایہ دیکھا جائے تو اس کی ابتدا نثر کے بجائے شاعری میں ملتی ہے۔ یہی بات اردو اور پنجابی ادب میں بھی پائی جاتی ہے۔ پنجابی کی نسبت اردو نثر بہت پہلے لکھی گئی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں اکا دکا نثر لکھی گئی۔ باقاعدہ طور پر پنجابی نثر کا آغاز ۱۹۷۰ء میں پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے پنجابی شروع کرنے پر پنجابی نثر کی واضح نشاندہی ہوئی ہے۔

پنجابی اردو نثری ادب کا اشتراک افسانہ، ڈراما، ناول، انشائیہ، سفر نامہ اور مضمون وغیرہ میں ملتا ہے۔ داستان کے معاملہ دیکھا جائے تو اردو میں چند اہم داستانیں لکھی گئی مگر پنجابی میں داستانوں کی روایت سینہ گزٹ سے ملتی ہے۔

ناول

ناول مغرب سے اردو میں وارد ہوا۔ اُردو کے نثری ادب میں سب سے بڑا سرمایہ ناول ہے۔ ناول داستان کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ ناول میں کسی خاص مقصد کے تحت زندگی اور اس کے متعلقات کی حقیقتوں کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ ناول میں علامت، آزاد تلازمہ فکر اور شعور کی رو جیسے

عناصر نمایاں ہوتے ہیں۔ ناول نثری ادب کی وہ صنف ہے جس میں اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں کام ہوا ہے۔ اردو میں ناول نگاروں میں نام کمانے والوں میں نذیر احمد، راشد الخیری، شرر، رتن ناتھ سرشار، پریم چند، مرزا ہادی رسوا، کرشن چندر، قرۃ العین حیدر، عزیز احمد، عصمت چغتائی، نسیم حجازی، اے حمید، اسلم راہی، حقی، محی الدین نواب، نازکفیل گیلانی، حمیدہ احمد، اور دیگر بہت سے شامل ہیں۔ اردو کے اہم ناولوں میں عبداللہ حسین کا ''اداس نسلیں'' ممتاز مفتی کا ''علی پور کا ایلی'' رضیہ فصیح الدین کا ''آبلہ پا'' قدرت اللہ شہاب کا ''یا خدا'' جمیلہ ہاشمی کا ''تلاش بہاراں'' خدیجہ مستور کا ''آنگن'' اور انتظار حسین کا ''بستی'' شامل ہیں۔

پنجابی میں ناول نگاری کی روایت بھائی ویر سنگھ سے ملتی ہے جس کا ناول ''سندری''، ''بجے سنگھ اور ستونت کور'' ہیں۔ دیگر ابتدائی ناول نگاروں میں موہن سنگھ، چرن سنگھ شہید، گربخش سنگھ، نانک سنگھ اور ماسٹر تارا سنگھ شامل ہیں۔ پہلے مسلمان پنجابی ناول نگار میراں بخش ہیں۔ پنجابی کے ابتدائی ناول چھپنے والوں میں عبدالمجید بھٹی ''ٹھیڈا'' افضل احسن کا ''دیواتے دریا'' ظفر لاشاری کا ''نازو'' شامل ہیں۔ جدید پنجابی ناول لکھنے والوں میں ڈاکٹر اعجاز، فخر زمان، آغا اشرف، احسان بٹالوی، کہکشاں ملک، نسرین بھٹی، محمد اسماعیل ہمدانی، سجاد حیدر اور دلشاد کلانچوی شامل ہیں۔

افسانہ

انسان کی زندگی بذات خود خوبصورت اور رنگینیوں سے بھری ہوئی کہانی ہے۔ جب کسی انسان تک گزرے کل کا کوئی واقعہ پہنچتا ہے تو اس سے ایک کہانی جنم لیتی ہے۔ انسانی زندگی کے کسی ایک پہلو کو بیان کرنے کا نام افسانہ ہے۔ یہاں اردو ادب میں افسانہ کا آغاز سجاد حیدر یلدرم اور پریم چند سے ہوتا ہے۔ افسانے میں کئی موڑ آئے، کئی تجربے کیے گئے اور ابھی تک کیے جا رہے ہیں۔ افسانے کے ضروری لوازمات میں کہانی، پلاٹ، کردار وغیرہ ہیں چاہے افسانہ کسی بھی زبان میں ہو۔ اس کے علاوہ افسانے کے لیے اختصار اور وحدت تاثر ہونا بھی ضروری ہے۔ پنجابی کے ابتدائی افسانہ نگاروں میں موہن سنگھ اور چرن سنگھ شہید ہیں۔ ان کے افسانے محض اخلاقی کہانیاں تھیں اور یہ گورمکھی رسم الخط میں لکھی گئیں۔ پنجابی افسانہ باقاعدہ طور پر ۱۹۵۷ میں ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کی کاوشوں سے منظر عام پر آیا۔ ابتدائی طور پر پنجابی افسانوں کے انتخاب سامنے آئے جن میں ڈاکٹر فقیر کا ''لہراں'' اور ''اجو کی کہانی'' شامل ہیں۔

پنجابی افسانہ نگاروں کے قبیلے میں شفقت سلطانہ، افضل پرویز، منشا یاد، سلیم خان گمی، اقبال صلاح الدین، فرخندہ لودھی، مسرت کلانچوی، شاہ سوار کے علاوہ اور بہت سے نام شامل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، لسانی مقالات (حصہ سوم)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۱ئ ص: ۱۳

۲۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، اردو زبان کا ارتقا، ڈھاکہ: پاک کتاب گھر، ۱۹۵۶، ص: ۱۵

۳۔ میر امن دہلوی، دیباچہ، باغ و بہار، مشمولہ: نقوش، ادبی معرکے نمبر ا، لاہور: ادارہ فروغ اُردو، ستمبر ۱۹۸۱ئ، ص: ۱۰۹

۴۔ آزاد، محمد حسین، آبِ حیات، لاہور: شیخ مبارک علی، طبع یازدہم، ۱۹۱۱ئ ص: ۲۰

۵۔ نصیر الدین ہاشمی، مشمولہ: پاکستان میں اردو، چوتھی جلد، مرتبین: پروفیسر فتح محمد ملک، سید سردار احمد پیرزادہ و تجمل شاہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۶ئ ص: ۶۰

۶۔ محمد اقبال، مکتوبِ علامہ اقبال، مشمولہ: پاکستان میں اردو، چوتھی جلد، مرتبین: پروفیسر فتح محمد ملک، سید سردار احمد پیرزادہ و تجمل شاہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۶ئ ص: ۶۰

۷۔ محمود شیرانی، حافظ، پنجاب میں اردو، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ئ ص: ۴

۸۔ محمد اکرم چغتائی، پنجاب میں اردو (مزید تحقیق)، مشمولہ: پاکستان میں اردو، ص: ۹۵

۹۔ دتاتریہ، پنڈت برجوہن دتاتریہ، کیفی، کیفیہ، لاہور: مکتبہ معین الادب، طبع دوم، ۱۹۵۹ئ ص: ۸۷

۱۰۔ بازغہ قندیل، پنجاب میں اردو (مضمون)، مشمولہ: پاکستان میں اردو، ص: ۱۹۴

۱۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، پنجاب میں اردو (مضمون)، مشمولہ: پاکستان میں اردو، ص: ۱۷۴

۱۲۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، پنجاب میں اردو (مضمون)، مشمولہ: پاکستان میں اردو، ص: ۷۰

۱۳۔ محمود شیرانی، حافظ، اُردو کا ارتقا کس زبان سے ہوا، مشمولہ: پاکستان میں اردو، ص: ۸

۱۴۔ فتح محمد ملک، پروفیسر، پنجاب کی مادری زبان اُردو ہے، مشمولہ: پاکستان میں اُردو، ص: ۲

۱۵۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، غزل اور مطالعہ غزل، کراچی: انجمن ترقی اردو ادب پاکستان، ۱۹۵۵ئ ص: ۷

۱۶۔ شوکت، غلام فرید، نکارے آسرے، ساہیوال: ساہیوال پرنٹنگ پریس، ۲۰۱۱ئ ص: ۲۰

۱۷۔ رزاق شاہد، پروفیسر، موتی ادب تریل دے، ملتان: ملتان کتاب گھر، ۲۰۰۲ئ ص: ۱۸۶

۱۸۔ ارشاد احمد پنجابی، پنجاب کا مرد، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۱ئ ص: ۲۶۶

۱۹۔ میاں محمد بخش، سیف الملوک، لاہور: جہانگیر بک ڈپو، س ن ص: ۶

۲۰۔ بشیر فیض، پینڈے پانی دے، لاہور: سجل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ئ ص: ۸۹

۲۱۔ انور کمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع سوم، ۲۰۱۲ئ ص: ۱۰۳

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۸۳ئ ص: ۳۸۹

☆......☆......☆